Feb: 2025

توکل پیدا کرنے کا طریقہ

امام غزالی

تقسیم کیا: ایڈوکیٹ شکیل احمد

6 پیٹر لین, کولکاتہ 73

کولکاتہ

x.com: @humvee

یہ ہیں رزق کی چار اقسام۔ ان میں سے قسم اول میں توکل واجب ہے۔

توکل کی تعریف

توکل کی تعریف میں مشائخ طریقت کا اختلاف ہے۔ عام مشائخ تو کہتے ہیں کہ صرف خدا پر بھروسہ کرنے اور مخلوق سے ہر قسم کی امیدیں منقطع کرنے کا نام توکل ہے۔ اور بعض مشائخ کہتے ہیں کہ غیر سے تعلق منقطع کر کے دل کو صرف خدا کی حفاظت میں دینے کا نام توکل ہے۔

اور امام ابو عمر رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ خدا کے سوا ہر شے سے ترک تعلق کا نام توکل ہے اور ترک تعلق سے امام موصوف یہ مراد لیتے ہیں کہ بندہ اپنے بدن کے قوام اور تنگی و تکلیف کا خدا کے سوا کسی سے ذکر تک نہ کرے۔

اور میرے شیخ رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے فرمایا ہے کہ اپنی ہر تنگی اور تکلیف کا ذکر صرف خدا سے کرنے کا نام توکل ہے۔ اور مخلوق سے تنگی و تکلیف کا ذکر کرنا غیر سے تعلق رکھنا ہے۔

میرے نزدیک مشائخ کے اقوال کا خلاصہ یہ ہے کہ توکل اس کا نام ہے کہ بندے کو اس امر کا یقین ہو جائے اور اس کا دل اس پر مضبوطی سے قائم ہو جائے کہ میرے جسم اور ڈھانچے کو باقی رکھنا' میری حاجات کو پورا کرنا اور ہر تنگی و تکلیف سے بچانا صرف خدا کے قبضہ قدرت میں ہے' کسی دوسرے کے ہاتھ میں نہیں۔ اور نہ ہی اسباب و وسائل دنیا کے سبب سے ہے۔ خدا اگر چاہے تو میرے جسم کی بقا اور دیگر حاجات کے لیے کسی مخلوق کو وسیلہ بنا دیتا ہے یا دنیا کی کسی اور شے کو ذریعہ بنا دیتا ہی۔ اور اگر وہ چاہے تو بغیر ظاہری اسباب دنیا اور بغیر کسی مخلوق کے آسرے کے مجھے زندہ رکھ سکتا ہے۔ وہ اسباب و ذرائع کا محتاج نہیں۔

جب تیرا اعتقاد توکل کے اس مفہوم پر ہو جائے' اور تیرا دل اس عقیدے پر مضبوطی سے قائم ہو جائے۔ اور تیرا دل مخلوق اور اسباب دنیا سے بے نیاز ہو جائے تو سمجھ لے کہ کماحقہ' تجھے وصف توکل حاصل ہو گئی۔ اور تو متوکلین میں شامل ہو گیا۔

توکل پیدا کرنے کا طریقہ

توکل اس طرح پیدا ہوتا ہے کہ بندہ رزق اور دیگر ضروریات کے متعلق خدا تعالیٰ کے ضامن اور کفیل ہونے کا تصور رکھے اور خدا کے کمال علم' اس کی کمال قدرت کا تصور کرے اور اس بات پر یقین رکھے کہ خدا تعالیٰ خلاف وعدہ' بھول' عجز اور ہر نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ جب ہمیشہ ایسا تصور ذہن میں رکھے گا تو ضرور اسے رزق کے بارے میں رب تعالیٰ پر توکل کی سعادت نصیب ہو جائے گی۔

سوال:

کیا بندے پر تلاش رزق لازم ہے یا نہیں؟

جواب:

رزق مضمون کی تلاش بندہ نہیں کرسکتا۔ کیونکہ اس سے مراد ہے جسم کی تربیت اور اس کو نشوونما دینا۔ اور یہ خدا کا فعل ہے۔ جس طرح موت اور زندگی عطا کرنا رب تعالیٰ کا فعل ہے۔ اور ظاہر ہے کہ انسان ان افعال پر قادر نہیں جو خدا کی صفات ہیں۔

اور رزق مقسوم کی تلاش بھی انسان کو لازم نہیں۔ کیونکہ وہ تو رزق مضمون کا محتاج ہے اور رزق مضمون کا ضامن اور کفیل خدا ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے یہ جو فرمایا ہے:

وَابْتَغُوْا مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ

تو اس سے مراد تلاش رزق نہیں بلکہ طلب علم اور طلب ثواب مراد ہے۔
اور اگر یہ کہا جائے کہ رزق مضمون اسباب کے ساتھ وابستہ ہے۔ تو کیا اسباب کی تلاش بھی لازم ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اسباب کی تلاش بھی لازم نہیں۔ کیونکہ خدا تعالیٰ جب رزق مقرر سبب کے ساتھ یا بغیر سبب کے مہیا کر سکتا ہے تو تلاش اسباب کی کیا حاجت ہے؟ پھر خدا تعالیٰ نے مطلقاً فرمایا ہے کہ ہم رزق کے ضامن ہیں۔ یہ قید نہیں لگائی کہ نفس رزق کے ہم ضامن ہیں اور اس کے اسباب و ذرائع فراہم کرنا بندوں کے ذمہ ہے چنانچہ فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

اور زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمہ کرم پر ہے۔
پھر انسان وہ شے تلاش بھی کیسے کر سکتا ہے جس کی جگہ کا اسے پتہ نہ ہو۔ کیونکہ یقین سے انسان کو یہ معلوم نہیں کہ اس ذریعہ سے رزق حاصل ہوگا۔ یا شے میری غذا ہے اور اس سے میری نشوونما ہے کوئی فرد بشر یہ نہیں جانتا کہ میرا رزق یقیناً اس ذریعہ سے حاصل ہوگا۔
اس سلسلے میں تیرے اطمینان کے لیے یہی کافی ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور اولیاء عظام رزق کے معاملے میں خدا پر توکل کرتے تھے۔ اور بہت کم ہی رزق کی تلاش کرتے تھے۔ بلکہ اپنے بدن کو خدا کی عبادت کے لیے فارغ رکھتے تھے اور اس پر اتفاق ہے کہ انہوں نے تلاش رزق کو ترک کر کے خدا تعالیٰ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کی۔ اور نہ ہی وہ کسی حکم خداوندی کے تارک ہوئے۔ تو اس بیان سے واضح ہو گیا کہ رزق اور اسباب رزق کی تلاش کوئی ضروری نہیں۔

سوال:

تلاش سے رزق زیادہ اور تلاش نہ کرنے سے رزق کم ہوتا ہے یا نہیں؟

جواب:

لوح محفوظ میں رزق کی مقدار اور اس کا وقت معین طور لکھا ہوا ہے۔ اور خدا کے حکم میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی اور نہ اس کی تقسیم میں کوئی تغیر ہوسکتا ہے۔ اور یہی علمائے اہل سنت کے نزدیک صحیح ہے۔ صرف حاتم اور شفیق کے پیروکار اس کے خلاف ہیں۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ رزق تو تلاش و عدم تلاش سے زیادہ کم نہیں ہوسکتا مگر مال میں تلاش و عدم تلاش سے زیادتی یا کمی ہوسکتی ہے۔ اور یہ فاسد ہے۔ جس طرح رزق میں کمی زیادتی نہیں ہوسکتی اسی طرح مال میں بھی نہیں ہوسکتی۔ کیونکہ دونوں کی دلیل ایک ہے۔ خدا تعالیٰ نے مندرجہ ذیل آیت میں اسی طرف اشارہ فرمایا ہے

لِکَیْلَا تَأْسَوْا عَلٰی مَا فَاتَکُمْ وَلَا تَفْرَحُوْا بِمَآ اٰتٰکُمْ۔

تا کہ جو ہاتھ سے نکل گیا ہے اس پر غم نہ کرو اور جو مال تمہارے قبضے میں آیا ہے اس پر خوشی نہ مناؤ۔

اگر تلاش سے رزق میں زیادتی ہوتی اور عدم تلاش سے کمی' تو البتہ غمی یا خوشی کا مقام ہوتا۔ کیوں کہ سستی اور لاپروائی سے جب کوئی شے ضائع ہو جائے تو اس پر انسان غمناک ہوتا ہے اور کوشش و کمربستہ ہونے سے جب کوئی شے حاصل ہو تو اس پر انسان کو فرحت ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایک سائل کو فرمایا:

هَاكَ لَوْلَمْ تَأْتِهَا لَاتَتْكَ

سن لے' تو اگر روزی کی تلاش نہ بھی کرتا تو بھی جو تیرے مقدر میں ہے وہ تجھے مل جاتی۔

سوال:

ثواب اور عذاب میں تو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے۔ پھر بھی ہمیں حکم ہے کہ طلب ثواب کی جائے۔ اور جو اشیاء عذاب کا باعث بنتی ہیں ان سے اجتناب کیا جائے۔ تو کیا طلب سے ثواب زیادہ ہو سکتا ہے۔ یا عذاب کا موجب بننے والی اشیاء سے اجتناب کرنا عذاب میں کمی کا باعث بن سکتا ہے۔

جواب:

جان لے کہ خدا تعالیٰ نے طلب ثواب کا حکم قطعی اور واضح طور پر ہمیں دیا ہے اور اس کے ترک کرنے پر عذاب کا ڈر سنایا ہے۔ اور خدا نے یہ ذمہ نہیں لیا کہ بندہ نیک اعمال نہ کرے تب بھی وہ سے اچھا اجر دے گا۔ اس لیے عذاب و ثواب کی زیادتی بندے کے فعل پر مبنی ہے اور رزق و ثواب و عذاب میں فرق ہے' جو بعض علماء نے بیان کیا ہے وہ یہ کہ رزق اور موت کے متعلق لوح محفوظ میں بغیر کسی شرط و تعلیق کے ایک قطعی فیصلہ لکھا ہوا ہے۔ تم نے قرآن مجید میں دیکھا نہیں؟ کہ خدا نے کس طرح موت کے متعلق غیر مشروط طور پر فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا۔

اور زمین میں کوئی جاندار نہیں مگر اس کا رزق خدا کے ذمہ کرم پر ہے۔

اور موت کے متعلق فرمایا:

فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝

جب موت کا وقت آجاتا ہے تو ایک ساعت آگے پیچھے نہیں ہو سکتا۔

اور حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا ہے:

اربعة قد فرغ منهن۔ اَلخَلقُ والخُلقُ والرِّزقُ وَالاجَلُ۔

چار چیزوں سے فراغت ہو چکی ہوئی ہے انسان کے ڈھانچے کی بناوٹ سے، اس کی عادت و طبیعت سے۔ اس کی موت اور اس کے رزق سے۔

اور عذاب و ثواب کی تحریر لوح محفوظ میں بندے کے فعل کے ساتھ معلق و مشروط ہے یعنی اگر بندہ نیکی کرے گا تو ثواب پائے گا اور گناہ کرے گا تو عذاب کا سزاوار ہو گا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیت میں مذکور ہے:

وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتَابِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَكَفَّرْنَا عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلاَ دْخَلْنَا هُمْ جَنَّاتِ النَّعِيْمِ

اگر اہل کتاب ایمان لے آئے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ضرور ہم ان کے گناہ معاف کر دیتے اور انہیں نعمت والے باغات میں داخل کرتے۔

سوال:

ہم نے دیکھا ہے کہ جو لوگ رزق کی تلاش اور سعی کرتے ہیں ان کے پاس رزق اور مال وافر ہوتا ہے اور جو تلاش اور سعی نہیں کرتے وہ کنگال اور محتاج ہوتے ہیں۔

جواب:

ایسا نہیں، بلکہ دیکھا گیا ہے کہ بعض تلاش اور سعی کرنے والے رزق سے محروم ہوتے ہیں اور بعض تلاش نہ کرنے والے دولت مند اور بانعمت ہوتے ہیں۔ ہاں اکثر یہ ہے کہ سعی کرنے والے فقیر و قلاش نہیں ہوتے۔ اور سعی نہ کرنے والے اکثر و بیشتر فقیر ہوتے ہیں۔ یہ اس لیے تا کہ تمہیں معلوم ہو کہ عزت و حکمت والے خدا کی تدبیر و تقدیر اسی طرح جاری ہے۔ ابو بکر محمد بن سابق صقلی واعظ شام نے کیا خوب فرمایا ہے

(۱) کم من قوی قوی فی تقلبه! مهذب الرای عنه الرزق منحرف
(۲) وکم ضعیف ضعیف فی تقلبه کانه من خلیج البحر یغترف
(۳) هٰذا دلیل علی ان الاالٰه له فی الخلق سرخفی لیس ینکشف

ترجمہ:

۱۔ بہت سے قوی لوگ جو تدبیر میں بہت ہوشیار و چالاک ہوتے ہیں' رزق سے محروم ہوتے ہیں۔

۲۔ اور بہت سے ضعیف البدن' تدبیر میں نکمے دنیا ان کے پاس اس طرح آتی ہے جیسے وہ سمندر کی تہ سے دونوں ہاتھوں سے ہیرے اور جواہرات نکال رہے ہیں۔

۳۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ رزق کے بارے میں مخلوق کے ساتھ خدائے تعالیٰ کا ایک مخفی تعلق ہے جسے سمجھنے سے انسانی دماغ قاصر ہے۔

سوال:

کیا کسی صحرا میں بغیر زادراہ کے داخل ہونا درست ہے؟ اور بغیر کسی سازوسامان کے اسے طے کرنے کا ارادہ ٹھیک ہے؟

جواب:

جان لے کہ اگر تیرا دل توکل میں محکم ہو اور تجھے خدا کے وعدے پر مکمل یقین ہو تو تیرے لیے بے زادراہ صحرانوردی درست ہے۔ ورنہ عوام کی طرح تو بھی زادہ راہ لے کر چل۔

اور میں نے امام ابوالمعالی رحمہ اللہ تعالیٰ سے سنا کہ آپ فرماتے تھے "جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ اسی دستور سے پیش آئے جو اس کا لوگوں کے ساتھ ہے' تو خدا بھی اس کے ساتھ اسی طرح پیش آتا ہے جس طرح لوگ اس سے پیش آتے

ہیں۔ آپ کا یہ ارشاد بہت درست ہے اور غور کرنے والے کو اس سے بہت فائدے حاصل ہو سکتے ہیں۔

سوال:

تمہارا یہ کہنا کہ بغیر زاد راہ محض توکل خدا پر سفر اختیار کرنا درست ہے' ٹھیک نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں حکم دیا ہے۔

وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی۔

اور زاد راہ لیکر سفر میں نکلو۔ اور بہتر زاد تقویٰ ہے۔

جواب:

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں۔ ایک یہ کہ زاد سے مراد زاد آخرت ہے۔ اسی لیے اس کے ساتھ فرمایا خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰی نہ کہ دنیوی اسباب اور معمولی سفر خرچ وغیرہ۔

دوسرا قول یہ ہے کہ جب بعض لوگ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں حج کو روانہ ہوتے تھے تو بغیر سفر خرچ روانہ ہوتے تھے۔ راستہ میں لوگوں سے مانگتے تھے اور اپنی محتاجی کا شکوہ شکایت کرتے تھے۔ لوگوں کو تنگ کرتے تھے اور اصرار کے ساتھ ان سے مانگتے تھے۔ تو ایسے لوگوں کو حکم دیا گیا کہ زاد راہ لے کر حج کو جائیں۔ اور انہیں تنبیہہ کی گئی کہ خود کمائے ہوئے مال کے ساتھ حج کرنا ہی اصل حج ہے۔ لوگوں کے سہارے پر گھر سے نکل کھڑا ہونا اور راستے میں ہر ایک سے حج کا ذکر کر کے مانگتے پھرنا اور پھر اس ذلت و خواری کے ساتھ حج کرنا بے فائدہ ہے۔

سوال:

کیا متوکل شخص بھی سفر میں زادہ راہ لے کر چلتا ہے؟

جواب:

بسا اوقات متوکل آدمی بھی زاد راہ اپنے ہمراہ لے کر روانہ ہوتا ہے۔ لیکن اس کا دل اس بات پر محکم نہیں ہوتا کہ یہی میرا رزق ہے اور سفر میں اسی پر میرا سہارا ہے بلکہ اس کا دل خدا کے ساتھ محکم ہوتا ہے اور اس کا بھروسہ خدا پر ہوتا ہے اور وہ دل میں کہہ رہا ہوتا ہے کہ میرا رزق روز ازل سے میرے حصے میں لکھا جا چکا ہے۔ اور فرشتے میرے حصے کا رزق لکھ کر فارغ ہو چکے ہوئے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ اگر چاہے تو اس رزق کے ذریعے میرے بدن کو قائم رکھے' یا سفر میں اور کوئی ذریعہ پیدا کر دے۔

اور بسا اوقات متوکل شخص اپنے ہمراہ زاد راہ اس نیت سے بھی لے لیتا ہے کہ اس سے کسی مسلمان کی اعانت کرے گا' یا کسی اور شے کو فائدہ پہنچائے گا۔

لیکن در حقیقت زاد راہ لے کر چلنے میں اصل چیز دل کی حالت ہے۔ تیرے دل میں یہ بات ہونی چاہیے کہ خدا نے ہر حال میں مجھے رزق دینے کا وعدہ فرمایا ہے۔ اور وہ میرا کفیل اور ضامن ہے۔ اس لیے کہ بہت سے لوگ ایسے ہوتے ہیں جو خرچ تو لے کر چلتے ہیں' مگر ان کا توکل مکمل طور پر خدا پر ہوتا ہے نہ کہ اس خرچ پر۔ اور بہت سے ظاہراً خرچ لے کر تو نہیں چلتے لیکن ان کا دل اسی میں گرفتار ہوتا ہے' خدا پر انہیں کوئی بھروسہ نہیں ہوتا۔ تو معلوم ہوا کہ اصل بات دل کی ہے اس اصول کو اچھی طرح ذہن نشین کر لے۔ کیونکہ یہ بہت مفید ہے۔

سوال:

نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم و صحابہ کرام اور سلف صالحین ہمیشہ زاد راہ لے کر سفر کرتے تھے۔ تم کیسے کہتے ہو کہ زاد راہ کی ضرورت نہیں؟

جواب:

ہم نے کب کہا ہے کہ سفر میں ضروری سامان خورونوش لے کر چلنا حرام ہے۔ بلکہ حرام یہ چیز ہے کہ مسافر اس حقیر سامان کو اپنا سہارا سمجھے اور خدا تعالیٰ پر توکل نہ کرے۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بارے میں کیا خیال ہے؟ خدا نے قرآن مجید میں آپ کو حکم دیا:

وَتَوَكَّلْ عَلَى الْحَيِّ الَّذِيْ لَا يَمُوْتُ۔

اے حبیب! تو اپنے رب پر ہی بھروسہ رکھ۔

کیا آپ جو کھانا یا پانی یا درہم یا دینار ساتھ لے کر سفر اختیار کرتے تھے، تو اپنے خدا کے اس مذکورہ حکم کی نافرمانی کی؟ حاشا وکلا، آپ سے قطعاً نافرمانی صادر نہیں ہوئی۔ بلکہ درہم و دینار کے ہوتے ہوئے بھی یقیناً آپ کا دل خدا کے ساتھ تھا اور یقیناً آپ کا توکل خدا پر ہی تھا، جیسا کہ ان کے رب نے انہیں حکم دیا تھا۔ کیونکہ آپ ہی وہ بے مثال ذات ہیں جس نے دنیا کی کسی چیز کی طرف قطعاً التفات نہیں فرمایا، اور تمام زمین کے خزانوں کی چابیوں کی طرف جب کہ آپ کو پیش کی گئیں، نظر اٹھا کر نہیں دیکھا۔ بلکہ آپ کا اور سلف صالحین کا سفرخرچ لے کر چلنا دوسروں کی اعانت و دستگیری کی نیت سے تھا۔ اس لیے نہیں تھا کہ وہ زادراہ کو ہی معاذاللہ اپنا سہارا سمجھتے تھے اور خدا پر انہیں کوئی بھروسہ نہیں تھا۔

تو معلوم ہوا کہ اصل اعتبار ارادے اور قصد کا ہے۔ اس کو خوب ذہن نشین

کر اور خواب غفلت سے بیدار ہو' اور بات کو پوری طرح ذہن میں بٹھا۔ تا کہ خدا تجھے نیکی کی راہ دکھائے۔

سوال:

کیا زاد راہ لے کر چلنا افضل ہے یا نہ لے کر؟

جواب:

زاد راہ سفر میں لے کر چلنا یا نہ لے کر چلنا حالات و اشخاص کی بنا پر مختلف ہے۔ اگر ایک مقتدائے قوم زاد راہ اس ارادے سے لے کر چلے کہ لوگوں پر اس کا جواز و اباحت روشن و واضح ہو۔ یا سفر میں دوسرے مسلمان بھائی کی اعانت کی نیت ہو' یا کسی خستہ حال کی فریاد رسی مطلوب ہو' یا اسی قسم کا کوئی اور نیک ارادہ ہو تو زاد راہ لے کر چلنا افضل ہے۔ اور اگر کوئی شخص اکیلا سفر کو روانہ ہو۔ جس کا توکل خدا تعالیٰ پر قوی اور مضبوط ہو۔ اور اسے یہ خدشہ ہو کہ زاد راہ خدا سے غافل نہ کر دے تو ایسے شخص کے لیے ترک زاد بہتر ہے اس فرق کو اچھی طرح معلوم کر لے خدا تجھے نیکی کی توفیق عنایت کرے۔

دوسرا عارضہ ---- سفر کے خطرات کا تصور اور خیال

اس عارضے سے محفوظ رہنے کی صورت یہ ہے کہ تو اپنا معاملہ پورے طور پر خدائے تعالیٰ کے حوالے کر دے۔ اور یہ دو وجہ سے بہتر ہے۔

ایک تو دل کو اسی وقت اطمینان اور چین نصیب ہو جائے گا۔ اس لیے کہ وہ امور جو اہم ہوں اور ان کی اچھائی یا برائی تم پر واضح نہ ہو تو ایسے امور کی فکر میں مضطرب اور شوریدہ خاطر رہو گے۔ اور جب تم نے اپنے ہر معاملے کو خدا کے حوالے کر دیا تو تمہیں یقین ہو جائے گا کہ انشاء اللہ تعالیٰ صلاح و خیر ہی نصیب ہو گی۔

تو اپنے معاملات سپرد خدا کرنے میں تم خطرے اور ہر قسم کی تشویش سے محفوظ ہو جاؤ گے اور چین و اطمینان میسر آ جائے گا۔ اور یہ امن و راحت اور دل کا اطمینان بہت بڑی نعمت ہے۔ میرے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ اکثر دفعہ مجلس میں فرمایا کرتے تھے:

دع التدبیر الٰی من خلقک تسترح۔

اپنی تدبیر اس ذات کے سپرد کر دے جس نے تجھے پیدا فرمایا تو راحت میں ہو جائے گا۔

میرے شیخ علیہ الرحمتہ نے مندرجہ ذیل تین اشعار بھی اسی سلسلے میں کہے ہیں۔ فرماتے ہیں:

(۱) ان من کان لیس یدری فی المحبوب نفع له اوالمکروه

(۲) لحری بان یفوض ما یعجز عنه الی الذی یکفیه

(۳) للالٰه البرالذی هو بالراحة احنی من امه وابیه

ترجمہ:

۱۔ جو شخص یہ نہ جانتا ہو کہ میرا نفع میری محبوب شی میں ہے یا اس میں جو مجھے ناپسند ہے۔

۲۔ تو چاہیے کہ اس کام کو جیسے وہ حل کرنے سے عاجز ہے اس ذات کے حوالے کرے جو ہر

۳۔ حاجت میں کافی ہے۔ یعنی خدا تعالیٰ کے سپرد کرے جو نیکوکار ہے اور اپنے ماں باپ سے بھی زیادہ رحیم و شفیق ہے۔

تفویض الی اللہ کا دوسرا فائدہ یہ ہے کہ آئندہ بھی تم صلاح و خیر میں رہو گے۔ اور یہ اس لیے کہ معاملات و حالات' نتائج و عواقب کے اعتبار سے مبہم اور مخفی ہیں۔ کیونکہ بہت سی برائیاں ایسی ہیں جو صورۃً خیر معلوم ہوتی ہیں اور بہت سے ایسے

نقصان دہ امور ہیں جو بظاہر زیور نفع سے آراستہ دکھائی دیتے ہیں اور بہت ایسے ہیں جو دیکھنے میں شہد معلوم ہوتے ہیں اور تم اسرار و عواقب سے بے خبر ہو۔ تو جب تم کسی امر کو عزم سے اپنے اختیار سے شروع کرو گے تو بہت جلد ہلاکت و تباہی میں پڑ جاؤ گے اور تمہیں شعور تک نہیں ہو گا۔

حکایت

ایک عابد کے متعلق منقول ہے کہ وہ رب تعالیٰ سے یہ سوال کرتا تھا کہ اسے ابلیس لعین دکھایا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہی جواب ملتا تھا کہ اس خیال کو چھوڑ اور عافیت و امن کی دعا کیا کر۔ مگر وہ اپنے اسی خیال پر مصر تھا۔ آخر ایک روز اللہ تعالیٰ نے ابلیس کو اس عابد پر ظاہر کر دیا۔ جب عابد نے ابلیس کو دیکھا تو اسے مارنے کا ارادہ کیا۔ ابلیس نے کہا اگر تو نے سو سال زندہ نہ رہنا ہوتا تو میں تجھے ہلاک کر دیتا اور تجھے سخت سزا دیتا۔ عابد اپنی عمر سو سال سن کر مغرور ہو گیا اور دل میں کہنے لگا میری عمر بہت ہے۔ ابھی آزادی سے گناہ کرتا ہوں' آخر وقت پر توبہ کر لوں گا۔ چنانچہ وہ فسق و فجور میں مبتلا ہو گیا۔ عبادت ترک کر دی اور ہلاک ہو گیا۔

اے مخاطب! تیرے لیے اس حکایت میں اس امر پر تنبیہہ ہے کہ تو اپنے ارادے کی پیروی نہ کرے اور اپنے مطلوب نفسانی کے حصول میں اصرار سے کام نہ لے۔ اور اس حکایت سے تجھے یہ سبق بھی ملتا ہے کہ طول امل سے بچے۔ کیونکہ اصول امل عظیم ترین آفت ہے۔ ایک شاعر نے کیا اچھا کہا ہے:

وایاک　　المطامع　　والامانی

فکم　　امنیۃ　　جلبت　　منیہ

ترجمہ: طمع کی چیز اور لمبی امیدوں سے بچو۔ کیونکہ بہت امیدیں ایسی ہوتی ہیں جن کے پیچھے انسان لقمۂ موت بن جاتا ہے۔

لیکن جب تم اپنا معاملہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے سپرد کردو گے اور اس سے سوال کرو گے وہ تمہارے لیے ایسی شے کا انتخاب کرے جس میں تمہاری بہتری ہو تو ضرور تمہیں خیر اور درستی ہی نصیب ہوگی اور تم نیک کام سے ہمکنار ہوگے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک صالح بندے (حضرت موسیٰ علیہ السلام) کے الفاظ نقل کرتے ہوئی فرمایا:

وَاُفَوِّضُ اَمْرِیْٓ اِلَی اللّٰہِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بَصِیْرٌۢ بِالْعِبَادِ ○ فَوَقٰہُ اللّٰہُ سَیِّاٰتِ مَا مَکَرُوْا وَحَاقَ بِاٰلِ فِرْعَوْنَ سُوْٓءُ الْعَذَابِ ○

میں اپنا معاملہ اللہ کے حوالے کرتا ہوں بیشک وہ بندوں کو دیکھتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ نے اسے ان کی بری چالوں سے محفوظ رکھا۔ اور فرعونیوں کو دکھ دینے والے عذاب نے آگھیرا۔

تم دیکھتے نہیں کہ رب تعالیٰ نے کس وضاحت سے اپنے معاملات اس کے حوالے کرنے پر حفاظت' دشمنوں کے خلاف امداد اور بندے کا اپنی مراد میں کامیاب ہونے کا ذکر فرمایا ہے؟ اس میں خوب غور کرو' اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی کی توفیق بخشے۔

سوال:

تفویض کا معانی اور اس کا حکم واضح فرمایا جائے۔

جواب:

جاننا چاہیے کہ یہاں دو چیزیں ہیں جن کے سمجھ لینے سے بات واضح ہو جائے گی۔ ایک تو تفویض کا مقام اور اس کا حکم۔ اور دوسری تفویض کا معنی اس کی تعریف اور تفویض کی ضد کا بیان۔

مقام تفویض کی تفصیل یہ ہے کہ مرادیں تین قسم ہیں۔

ایک وہ مراد جس کو تم یقیناً اور قطعاً بری اور خراب سمجھتے ہو۔ تمہیں اس کے

برا ہونے میں ذرا شک نہیں ہوتا۔ جیسے جہنم اور عذاب۔ اور افعال میں کفر اور بدعت اور معصیت وغیرہ۔ ان امور مذکورہ کا ارادہ کرنے کی تو قطعاً کوئی گنجائش اور اجازت نہیں۔

دوسری وہ مراد جس کے اچھا اور بہتر ہونے کا تمہیں مکمل یقین ہے۔ جیسے جنت' ایمان اور سنت وغیرہ۔ ان امور کا ارادہ کرنا ضروری ہے اور لازم ہے۔ یہاں تفویض جائز نہیں۔ اس لیے کہ ان امور میں کوئی خطرہ نہیں' اور نہ ہی ان کے بہتر اور اچھا ہونے میں کوئی شک و شبہ ہے۔

تیسری وہ شے ہے جس کے متعلق تم حتماً نہیں جانتے کہ اس میں تمہارے لیے بھلائی ہے یا خرابی اور فائدہ ہے یا نقصان۔ جیسے نوافل اور مباح امور۔ ان امور کا تم یقینی اور قطعی ارادہ نہیں کرسکتے تو ایسے امور کا ارادہ کرتے وقت انشاء اللہ ضرور کہا جائے۔ بلا انشاء اللہ ان امور کا ارادہ درست نہیں۔ بلا انشاء اللہ ان امور کا ارادہ مذموم ہوگا۔ جس سے شرعاً روکا گیا ہے۔ تو اس تحقیق کی رو سے تفویض کا مقام اور ہر وہ شے ہے جس کے اندر تمہارے لیے کوئی خطرہ ہو۔ اور تمہیں اس کے بہتر ہونے کا یقین کامل نہ ہو۔

تفویض کے معنی

ہمارے بعض مشائخ نے تفویض کے یہ معنی کیے ہیں

ھو ترک اختیار مافیه مخاطرة الی المختار المدبر العالم بمصلحة الخلق لا اله الا ھو

تفویض کے معنی ہیں ہر وہ شے جس میں خطرہ ہو اس میں اپنے ارادے اور اختیار کو ترک کر دینا اور مدبر کائنات مختار مطلق اور مخلوق کے مصالح جاننے والے اللہ تعالیٰ کے سپرد کر دینا۔

اور شیخ ابو محمد سنجری رحمتہ اللہ علیہ نے تفویض کے یہ معنی کیے ہیں:

هو ترک اختيارک المخاطرة علی المختار ليختارلک ماهو خير لک۔

تفویض تیرا خطرے کی شے میں اپنے اختیار کو ترک کر دینا اور مختار مطلق کے حوالہ کر دینا ہے تا کہ وہ مختار مطلق تیرے لیے ایسی چیز پسند فرمائے جس میں تیری بھلائی اور بہتری ہو۔

اور شیخ ابو عمرو رحمتہ اللہ علیہ نے تفویص کی یہ تعریف کی ہے:

هو ترک الطمع والطمع هو اراده الشئی المخاطر بالحکم

یعنی تفویض ترک طمع کا نام ہے۔ اور طمع ایسی شے کی ارادے کا نام ہے جس میں خطرہ ہو۔

تفویض کے معنی میں یہ مشائخ کرام کی عبارات تھیں جو نقل کی گئیں۔ اور ہمارے نزدیک تفویض کے یہ معنی ہیں

ارادة ان يحفظ اللّٰه عليک مصالحک فيما لا تامن فيه الخطر

جن امور میں تم کو خطرہ کا خوف ہو ایسے امور میں یہ ارادہ کرلینا کہ اللہ تعالیٰ تمہاری مصلحتوں اور بہتریوں کی حفاظت اور نگہداشت کرے' ایسے ارادہ کا نام تفویض ہے۔

اور تفویض کی ضد طمع ہے۔ اور طمع دو طرح کا ہے۔ ایک وہ جو رجا کے معنی میں ہے۔ یعنی ایسی شے کا ارادہ کرنا جس میں کوئی خطرہ نہ ہو۔ یا خطرہ ہو مگر انشاء اللہ کہہ لیا جائے۔

یہ طمع جو رجاء کے معنی میں ہے' ممدوح اور غیرمذموم ہے۔ جیسا کہ پروردگار عالم جل و علاء نے طمع کو اسی معنی میں قرآن مجید میں استعمال فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا

ہے:

والذی اطمع ان یغفرلی خطیئتی یوم الدین۔

اور وہ ذات جس سے مجھے امید ہے کہ روز قیامت وہ میری تمام خطائیں بخش دے گا۔

دوسرے مقام پر فرمایا:

انا نطمع ان یغفرلنا ربنا خطایانا

ہمیں پوری امید ہے کہ ہمارا پروردگار ہماری تمام خطائیں معاف کر دے گا۔

اور ہم یہاں اس طمع محمود میں بات نہیں کرتے۔

دوسرا طمع مذموم ہے۔ جس کے متعلق نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:

ایاکم والطمع فانہ فقر حاضر۔

اپنے آپ کو طمع سے بچاؤ۔ کیونکہ وہ ایک بالفعل محتاجی اور تنگدستی ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ:

ھلاک الدین و فسادہ الطمع و ملاکہ الورع

یعنی دین کی ہلاکت اور اس کا فساد طمع میں ہے اور دین کی حفاظت اور پختگی ورع اور تقویٰ میں ہے۔

اور ہمارے شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ طمع مذموم دو چیزیں ہیں:

سکون القلب الی منفعة مشکوکة والثانی ارادہ الشی المخاطر بالحکم

ایک ایسی شے سے سکون قلب حاصل کرنا جس کا نفع مشکوک ہو۔ دوسری ایسی چیز کا ارادہ کرنا جس میں خطرہ ہو۔

اور یاد رکھو کہ طمع مذموم میں جو ارادہ پایا جاتا ہے یہی تفویض کے متضاد اور

مخالف ہے۔

ان امور کا بیان جن کا تصور تفویض الی اللہ کا موجب ہے

۱۔ امور اور معاملات میں خطرہ۔

۲۔ ہلاکت کا امکان۔

۳۔ فساد اور خرابی کا خوف۔

۴۔ انسان کا خطرے کی چیزوں سے محفوظ رہنے سے عاجز ہونا۔

۵۔ انسان کی غفلت اور نادانی کے باعث خطرے کی چیزوں سے نہ بچ سکنا۔

اگر تم ان پانچ امور کو سنجیدگی سے ذہن میں حاضر کرو گے تو تمہارے دل میں خواہ مخواہ ارادہ پیدا ہو گا کہ اپنے تمام امور اور معاملات احکم الحاکمین کے حوالہ کر دینا چاہیں' اور بلا انشاء اللہ تعالیٰ کہے ان کا ارادہ نہیں کرنا چاہیے۔ ہاں اگر ان امور میں خیر و صلاح کا یقین کامل ہو تو پھر بلا تشویش ارادہ کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ وباللہ التوفیق۔

سوال:

تم جس خطرے کا بار بار ذکر کرتے ہو کہ اس کی وجہ سے تفویض الاموالی اللہ ضروری ہے آخر وہ خطرہ کیا ہے؟

جواب:

جان لو کہ خطرہ دو طرح کا ہے

ایک تو خطرہ شک' کہ شاید یہ کام ہو گا یا نہیں۔ اور شاید میں اس تک پہنچ سکوں یا نہ۔ اسی خطرۂ شک کے باعث انشاء اللہ کہنا ضروری ہے۔

دوسرا خطرہ فساد' کہ تمہیں یہ یقین نہ ہو کہ اس میں تمہارے لیے صلاح اور

بہتری ہے۔ اس خطرہ کی بنا پر تفویض ضروری ہے۔

پھر خطرہ کی تعریف میں ائمہ کرام کی عبارات مختلف ہیں۔ بعض ائمہ کرام نے یہ تعریف کی ہے کہ

"خطرہ وہ شے ہے جس کے غیر میں نجات ہو' اور اس کے کرنے سے ارتکاب گناہ کا امکان ہو۔"

اس معنی کی رو سے ایمان' استقامت اور سنت میں کوئی خطرہ یا خدشہ نہیں۔ کیونکہ ان کے بغیر نجات ناممکن ہے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ استقامتہ علی الشرع کسی ارتکاب گناہ کا باعث نہیں۔ لہٰذا ایمان استقامت اور سنت کا ارادہ یقیناً ہونا چاہیے۔

ہمارے شیخ رحمتہ اللہ علیہ نے خطرفی الفعل کی یہ تشریح فرمائی ہے کہ:

"خطرہ وہ شے اور وہ امر عارض ہے جسے بعض اوقات اصل فعل ترک کرکے ادا کرنا پڑے اور اس وقت اصل فعل کی بجائے اس امر عارض کو ادا کرنا زیادہ بہتر ہو۔"

خطرہ کی یہ تعریف مباحات' سنن اور فرائض کو بھی شامل ہے۔ اس اجمال کی تفصیل یوں سمجھو کہ ایک شخص کا وقت نماز تنگ ہوچکا ہو اور اس نے اسے ادا کرنے کا ارادہ کرلیا ہو۔ عین اس وقت وہ شخص کہیں جلتی آگ یا دریا میں گر پڑا' تو ایسی صورت میں اس کا قصد نماز کے بجائے اپنے آپ کو بچانا ضروری اور لابدی ہے۔ اس تعریف کے مطابق جب خطرہ کا تعلق مباحات' سنن اور فرائض سے بھی ہوگیا تو ان کا بھی قطعی ارادہ کرنا درست نہیں۔ بلکہ ساتھ انشاء اللہ کہنا چاہیے۔

سوال:

یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ رب تعالیٰ بندے پر ایک کام فرض کرے' اور اس کے

ترک پر وعید فرمائے پھراس بندے کے لیے اس فعل میں کوئی بھلائی اور بہتری نہ ہو؟

جواب:

ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ "اللہ تعالیٰ بندے پر جو چیز لازم اور فرض کرتا ہے' بندے کے لیے ضرور اس میں بھلائی اور بہتری ہوتی ہے' جبکہ وہ عوارض اور رکاوٹوں سے خالی ہو۔ ہاں اللہ تعالیٰ کسی لازم اور ضروری فعل میں اس طرح تنگی نہیں فرماتا کہ اس سے کسی اور طرف عدول نہ ہوسکے۔ اور ضرور ہر فرض اور لازم فعل میں بندے کے لیے صلاح اور بہتری مضمر ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس فرض اور لازم فعل سے عدول کے اسباب پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور ایسے حالات میں ایک واجب کو ترک کرکے دوسرے واجب کو اختیار کرنا بہتر اور اولیٰ ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ ہم ذکر کر آئے ہیں۔ ایسے اسباب کے پیش آنے پر بندہ ترک فرض پر ماخوذ نہیں ہوگا' بلکہ اجر و ثواب ملے گا۔ یہ اجر و ثواب ترک فرض سے نہیں بلکہ دوسرا واجب ادا کرنے کی وجہ سے ہے۔

اور میں نے اپنے شیخ اور امام کو کہتے سنا ہے کہ تمام فرائض جو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر لازم کیے ہیں' جیسے نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ وغیرہ۔ ان میں یقیناً بندہ کے لیے صلاح اور خیر ہے۔ اس لیے ان کی بجاآوری کے ارادہ کے وقت انشاء اللہ کہنے کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا یقینا اور قطعا ارادہ ہونا چاہیے۔ اور ہمارے شیخ علیہ الرحمتہ نے فرمایا کہ آخرکار تمام مشائخ کا اس پر اتفاق ہوچکا ہے۔ اس اعتبار سے جب فرائض و واجبات خطرہ کے حکم سے خارج ہوگئے تو صرف مباحات و نوافل ہی اس محل خطرہ میں رہے ہماری یہ بحث اس باب میں مشکل ترین بحث ہے۔ وباللہ

التوفیق۔

سوال:

کیا اپنے جملہ امور کو حوالہ خدا کرنے والا ہلاکت اور فساد وغیرہ امور سے مامون و محفوظ ہو جاتا ہے۔ حالانکہ دنیا دارالمصائب و آلام ہے؟

جواب:

اغلب یہی ہے کہ ایسا شخص ان خطرات سے محفوظ رہتا ہے۔ ہاں نادر اور قلیل طور پر کبھی اس کے خلاف بھی ہو جاتا ہے۔ جس سے وہ خذلان و ابتری میں مبتلا ہو جاتا ہے' اور درجہ تفویض سے گر جاتا ہے۔ شیخ ابوعمرو رحمتہ اللہ علیہ نے یوں ہی فرمایا ہے۔

اور کہا گیا ہے کہ ایسے شخص کو ان امور میں جو اس نے حوالہ خدا کیے ہیں بھلائی اور درستی ہی پیش آتی ہے۔ نادر طور بھی وہ ذلت و رسوائی وغیرہ میں مبتلا نہیں ہوتا۔ ہمارے شیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ قول زیادہ پسند ہے۔ اس لیے کہ اگر تفویض کے ذریعہ مہالک اور مفاسد سے محفوظ رہنے کی امید نہ ہو تو تفویض (یعنی اپنے امور کو حوالہ خدا کرنے) سے فائدہ یہی کیا۔

سوال:

کیا خدا تعالیٰ پر واجب ہے کہ مفوض کے لیے افضل چیز ہی مہیا کرے؟

جواب:

یہ امر متفق علیہ ہے کہ باری تعالیٰ پر کسی شے کا ایجاب محال اور ناممکن ہے۔ اور بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ پر کوئی شے واجب اور لازم نہیں۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ

اللہ تعالیٰ بتقاضائے حکمت ایسی چیز مقدر کر دیتا ہے جو حقیقت میں بہتر اور اصلح ہوتی ہے، مگر بظاہر بندے کی نظر میں وہ افضل اور اعلیٰ نہیں ہوتی۔ دیکھیے! نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کبار کے لیے لیلتہ التعریس میں دن چڑھ آنے تک نیند مقرر کر دی۔ یہاں تک کہ آپ کی اور صحابہ کرام کی رات کی نماز (تہجد) اور نماز فجر فوت ہو گئی۔ حالانکہ نیند کے بجائے نماز کی ادائیگی افضل اور بہتر تھی۔ اسی طرح بسا اوقات اللہ تعالیٰ ایک بندے کے لیے دولت اور نعمت مقرر کر دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت فقر اس کے حق میں افضل ہوتا ہے۔

اسی طرح بسا اوقات رب تعالیٰ بندے کے لیے بیویاں اور اولاد مقدر کر دیتا ہے۔ حالانکہ درحقیقت اس کے لیے ذکر الٰہی اور عبادت زیادہ بہتر اور افضل ہوتے ہیں۔

اس کی مثال یوں سمجھو کہ ایک حاذق اور خیر خواہ طبیب مریض کے لیے جو کا پانی پسند کرتا ہے اگرچہ مریض گنے کا نچوڑ اور اس کا پانی افضل اور عمدہ خیال کرتا ہو۔ کیونکہ اس طبیب کو معلوم ہے کہ مریض کی اسی میں اصلاح ہے۔ اور بندے کا مقصود بھی تو ہلاکت سے نجات ہے۔ فساد و ہلاکت کے ساتھ ساتھ محض ظاہری فضل و شرف اور اچھائی حاصل کرنا مقصود نہیں ہوتا۔

سوال:

کیا مفوض (اپنے جملہ امور حوالہ خدا کرنے والا) تفویض کے باوجود بھی مختار متصور ہوگا؟

جواب:

علمائے اہل سنت کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ تفویض سے اس کا اختیار باطل

اور زائل نہیں ہوتا۔ بلکہ وہ مختار ہی شمار ہوگا۔

تیسرا عارضہ

قضاء اور اس کے مختلف اقسام کا انسان پروارد ہوتا ہے۔ اس کا علاج صرف یہ ہے کہ انسان قضاء الٰہی پر راضی ہو جائے۔ اس لیے تم پر دو وجہ سے قضاء الٰہی پر راضی رہنا ضروری ہے۔

اول، عبادت کے لیے فراغت

اور یہ فراغت یوں حاصل ہوگی کہ اگر تم قضاء الٰہی پر راضی نہ ہو تو تمہارا قلب ہمیشہ مغموم اور مشغول رہے گا کہ یہ بات اس طرح کیوں ہوئی ہے۔ اور یہ کام اس طرح کیوں ہو۔ جب اس طرح کے تفکرات میں تمہارا قلب ہر وقت مشغول رہے گا تو عبادت کے لیے فراغت کب نصیب ہوگی۔ اس لیے کہ تمہارے پہلو میں دل تو صرف ایک ہی ہے اور اسے تم نے تفکرات و وساوس سے بھر دیا ہوا ہے۔ جب تمہارے دل کے تمام گوشے دنیوی خیالات سے پر ہوں گے تو یاد خدا، اس کی عبادت اور فکر آخرت کے لیے کونسا گوشہ ہے جو خالی ہوگا۔

حضرت شفیق بلخی رحمتہ اللہ علیہ نے کیا خوب فرمایا ہے:

ان حسرة الامور الماضية و تدبير الاتية قد ذهبت ببركة ساعتك هذه

تمہاری گزشتہ واقعات پر حسرت اور آئندہ کی تدبیر کے خیالات نے اس موجودہ ساعت کی برکت کو تباہ کر دیا ہے۔

قضاء الٰہی پر راضی ہونے کی دوسری وجہ

قضاء الٰہی پر اظہار ناراضی سے غضب خداوندی کا خطرہ ہے۔ روایات اور اخبار میں مذکور ہے کہ کسی نبی نے اپنی کسی تکلیف کا رب تعالیٰ کے دربار میں شکوہ

کیا۔ تو رب تعالیٰ کی طرف سے وحی آئی کہ کیا تو میرا شکوہ کرتا ہے؟ حالانکہ میں مذمت اور شکوہ کا مستحق نہیں ہوں۔ کیا تو ایسی نامناسب بات کا اظہار کر رہا ہے؟ تو میری قضاء پر ناراضگی کا اظہار کیوں کر رہا ہے؟ کیا تو یہ چاہتا ہے کہ میں تیری خاطر دنیا بدل دوں' یا تیری خاطر لوح محفوظ میں تبدیلی کروں' اور ایسی چیز تیرے واسطے مقدر کروں جسے تو چاہے' اگرچہ میں اس کو نہ چاہوں؟ اور ایسی چیز تیرے لیے مہیا کروں جو تجھے پسند ہو' مجھے پسند نہ ہو؟ مجھے اپنی عزت و جلال کی قسم! اگر تیرے سینے میں آئندہ کبھی اس قسم کا خطرہ اور وسوسہ گزرا تو میں ضرور تجھ سے نبوت کا مقدس لباس اتار لوں گا۔ اور تجھے نار دوزخ میں ڈال دوں گا' اور مجھے کوئی پرواہ نہیں۔"

میں کہتا ہوں عقل مند شخص کو گوش ہوش سے سننا چاہیے کہ رب تعالیٰ کس طرح اپنے نبیوں اور برگزیدہ بندوں سے ایسی گفتگو فرما کر ڈانٹ رہا ہے۔ جب وہ اپنے برگزیدہ اور پاک بندوں کو ایسے کلمات کہہ سکتا ہے' تو غیرانبیاء کے ساتھ بطریق اولیٰ ایسی گفتگو کر سکتا ہے۔

پھر رب تعالیٰ کا یہ ارشاد بہت قابل غور ہے کہ "اگر تیرے دل میں دوبارہ اس قسم کا خیال آیا تو تیری نبوت چھین لی جائے گی۔" جب محض ارادے اور خیال پر اس قدر سخت وعید اور ڈانٹ فرمائی تو اس شخص پر اس کے غصہ کا کیا عالم ہو گا جو بے صبری سے چیخے اور چلائے اور بار بار فریاد رسی کے لیے بلائے۔ شکوہ کرے اور رب کو اپنی تباہی اور بربادی کے لیے عام لوگوں کے سامنے پکارے صرف اکیلا نہ پکارے بلکہ اس میں اپنے ساتھی اور دوست بھی شامل کر لے۔ پھر یہ اس کو ڈانٹ ہے جس نے ساری عمر میں صرف ایک بار شکوہ کیا۔ تو جس کی ساری عمر ہی رب تعالیٰ کے شکووں اور شکایتوں میں گزری ہو اس کا کیا انجام ہو گا؟

پھر اس قسم کی تلخ گفتگو اس کے ساتھ ہے جس نے اس کے دربار میں شکوہ

کیا۔ تو جو شخص غیروں کے آگے اللہ تعالیٰ کا شکوہ کرے وہ تو سخت ترین سزا کا مستحق ہے نعوذ باللّٰہِ من شرور انفسنا و من سیأت اعمالنا۔ و نسالہ ان یعفو عنا و یغفرلنا سوء ادبنا و یصلحنا بحسن نظرہ انہ ارحم الراحمین۔

سوال:

قضاء پر راضی ہونے کے کیا معنی ہیں' اور اس کی حقیقت اور حکم کیا ہے؟

جواب:

ہمارے علمائے کرام نے فرمایا ہے رضا غصہ ترک کر دینے کا نام ہے۔ اور غصہ ایسی چیز کو اولیٰ اور بہتر کہنے کا نام ہے جو قضاء الٰہی کے خلاف ہو اور جس کا برا یا اچھا ہونا یقینی نہ ہو۔ سخط اور غصے میں ایسا ذکر اور خیال ضروری ہے تب غصہ متحقق ہوگا۔

سوال:

کیا شرور و معاصی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر سے نہیں ہیں؟ تو اللہ تعالیٰ بندے سے شر پر کیسے راضی ہوگا اور اس پر شر کیسے لازم کرے گا؟

جواب:

رضا کا تعلق قضا سے ہے' اور قضائے شر برا نہیں۔ بلکہ وہ شے بری ہے جس کے ساتھ قضا متعلق ہوتی ہے۔ لہٰذا رضا بالشر نہ پائی گئی۔ ہمارے مشائخ رحمہم اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے جن امور سے قضا متعلق ہوتی ہے وہ چار قسم ہیں

(۱) نعمت (۲) شدت (۳) خیر (۴) شر

(۱) نعمت میں قاضی یعنی خدا تعالیٰ قضا اور مقضی یعنی نعمت سب پر راضی ہونا واجب ہے اور اس کے نعمت ہونے کے اعتبار سے اس کا شکر بھی واجب ہے۔

اور اس طور پر اظہار نعمت بھی ضروری ہے جس سے نعمت کے اثر کا اظہار ہو۔

(۲) شدت یعنی مصیبت اور تکلیف اس میں بھی قاضی یعنی اللہ تعالیٰ اس کی قضا اور مقضٰی یعنی اس مصیبت اور تکلیف تینوں پر راضی ہونا ضروری اور لازمی ہے۔ اور اس کے سختی اور تکلیف ہونے کے اعتبار سے اس پر صبر بھی واجب ہے۔

(۳) خیر' یعنی بھلائی اور نیکی۔ اس میں بھی مذکورہ تینوں اشیاء پر رضامند ہونا لازم ہے۔ اور اس میں پروردگار کے احسان کا اعتراف کرنا کہ اس نے خیر کی توفیق دی' بھی ضروری ہے۔

(۴) شر یعنی برائی۔ اس میں بھی قاضی یعنی خدا اور قضا اور مقضٰی یعنی اس برائی پر اس اعتبار سے کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی قضا کا تعلق ہے' رضامند ہونا ضروری ہے۔ ہاں! اس اعتبار سے اس کے ساتھ رضا کا تعلق نہیں ہو سکتا کہ وہ شر اور برائی ہے۔ اور اس شر کا فیصلہ شدہ اور قضاشدہ ہونا اصل میں اللہ تعالیٰ کے قاضی ہونے اور اس کی قضا کی جانب ہی رجوع کرتا ہے۔

اس کو یوں سمجھو کہ تم مثلاً کسی برے مذہب پر رضا کا اظہار کرو' اس اعتبار سے کہ مجھے اس کا علم اور اس کی پہچان ہو جائے۔ نہ اس اعتبار سے کہ وہ تمہارا مذہب ہو جائے۔ تو اس مذہب کا معلوم ہونا دراصل تمہارے علم کی طرف رجوع کرتا ہے۔ تو رضا اور محبت درحقیقت اس مذہب باطل سے نہیں بلکہ اس کے علم کے ساتھ ہے۔ اسی طرح یہاں شر پر رضامند ہونے کا مطلب اس کی برائی پر رضامند ہونا نہیں بلکہ اس پر رضامند ہونا ہے کہ یہ بھی خدا تعالیٰ کے مقدر کرنے سے ہے۔

سوال:

کیا راضی .مقضاء شخص کو زیادتی کا طالب ہونا درست ہے؟

جواب:

ہاں، اس نیت سے کہ میرے لیے صلاح اور خیر میں اضافہ ہو، زیادہ کا طالب ہونا درست ہے اور یہ رضا بالقضاء کے خلاف نہیں۔ کیونکہ اس نیت کے ساتھ زیادتی کا طالب ہونا اس امر کی دلیل ہے کہ وہ اس پر کلی طور سے راضی ہے۔ انسان اسی وقت زیادتی کا طالب ہوتا ہے جبکہ وہ اس پر خوش ہو۔ لہٰذا وہ زیادہ کا طالب ہو سکتا ہے۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ جب آپ کے سامنے دودھ پیش کیا جاتا تو فرماتے

اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ

(اے اللہ! ہمیں اس میں برکت دے اور اس میں اضافہ فرما)

اور اگر کوئی اور شے پیش ہوتی تو فرماتے

وزدنا خیرا منہ۔

ہمارے لیے اس سے بہتر میں اضافہ فرما۔

اور ان دونوں مقاموں میں کہیں بھی ظاہر نہیں ہوتا کہ آپ اللہ تعالیٰ کی مقدر شدہ چیز پر راضی نہیں تھے۔

سوال:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ تو منقول نہیں کہ بہ نیت خیر و صلاح زیادتی چاہے۔ جیسا کہ آپ نے کہا ہے؟

جواب:

اس طرح کے امور کا تعلق قلب سے ہوتا ہے۔ اس لیے عموماً انہیں زبان پر

نہیں لایا جاتا مگر وہ مراد ضرور ہوتے ہیں۔

چوتھا عارضہ' مصائب اور تکالیف:

ان میں کامیابی کی واحد صورت صبر ہے۔ اس لیے ایسے تمام مقامات پر صبر بہت ضروری ہے اور یہ دو وجہ سے ضروری ہے:

(ا) تا کہ انسان عبادت تک پہنچ سکے' اور اپنا مقصود حاصل کر سکے۔ اس لیے کہ عبادت کا دارومدار صبر اور مشقت برداشت کرنے پر ہے۔ تو جو شخص صابر نہیں ہو گا اس سے فی الحقیقت کوئی نیکی انجام کو نہیں پہنچ سکتی۔ یہ اس لیے کہ جو شخص خلوص قلب سے عبادت کرے گا' اسے کئی طرح کی مشقتیں' مصیبتیں اور شدائد پیش آئیں گی۔

ایک' تو اس بنا پر کہ ایسی کوئی عبادت نہیں جس میں مشقت نہ ہو۔ کیونکہ جب تک خواہش کا قلع قمع اور نفس پر سختی نہ کی جائے عبادت کا کوئی فعل صادر نہیں ہو سکتا۔ اس لیے کہ خواہش اور نفس' دونوں انسان کو عبادت سے روکتے ہیں۔ اور نفس اور خواہش پر قابو پانا انسان کے لیے مشکل ترین امر ہے۔

دوسرے اس لیے کہ انسان جب کوئی نیک کام کرتا ہے تو اس میں احتیاط ضروری ہے' اور احتیاط مشقت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اور کسی کام کو احتیاط درستی کے ساتھ انجام دینا بھی مشکل کام ہے۔

تیسرے اس لیے' کہ دنیا دار محنت ہے۔ تو جو شخص اس میں ہو گا کہ اسے ضرور طرح طرح کی مشکلات مصائب اور تکالیف پیش آئیں گی۔ یہ مصائب کئی طرح کے ہیں۔

1۔ اہل و عیال' رشتہ داروں' بھائیوں اور دوستوں کا مرنا' یا ان کا گم ہو جانا' یا ان